Fikr-o-Nasar (Islamabad) 16:8 (1979)

اقبال اور حب رسولؐ

کرم حیدری

مسلمان قوم کو جو خصوصیت دوسری اقوام عالم سے ممتاز کرتی ھے وہ اس کا جذبہ حب رسول ھے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات سے جیسی والہانہ محبت مسلمانوں میں پائی جاتی ھے ویسی محبت کسی دوسرے نبی کی امت میں اپنے نبی کے لئے نہیں پائی جاتی ۔ خود یورپ کے عیسائی علماء اس حقیقت کا بادل ناخواستہ اعتراف کرتے ھیں چنانچہ ''اپالوجی فار محمد،، کا مصنف لکھتا ھے ۔:

''محمد (صلعم) کے پیروؤں کا نقشہ حواریان عسیی میں تلاش کرنا بے سود ھے ۔ ان کا پیشوا موت کے پنجے میں گرفتار ھے ۔ اس کے لئے صلیب تیار کی جارھی ھے اور وہ (حواری) اپنی جانیں بچانے کی فکر میں ھیں ۔ اس کے بر عکس محمد (صلعم) کے رفقاء نے اپنی جانیں نثار کرکے آپ کو تمام دشمنوں پر غالب کردیا ۔ معرکہ احد میں جب کہ مسلمانوں کی صفیں درھم برھم ھو گئیں آپنے پکارا کون ھے جو مجھ پر جان دیتا ھے ۔ دفعۃً سات انصاری نکلے اور ایک ایک کرکے قربان ھوگئے ۔ ایک انصاری خاتون کا باپ، بھائی اور شوھر یکے بعد دیگرے اس معرکہ میں کام آئے ۔ وہ پورے حوصلے سے سب کی موت کی خبر سنتی ھے اور پوچھتی ھے کہ یہ بتاؤ کہ '' آنحضرت کیسے ھیں ؟ ،، لوگوں نے کہا

''آپ خیریت سے ہیں''، قریب آتی ہے چہرہ مبارک دیکھتی ہے اور خدا کا شکر بجالاتی ہے اور کہتی ہے کہ ''جب آپ زندہ سلامت موجود ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

حب رسول کا یہ جذبہ عارف و عاسی، عالم و جاهل، بزرگ و خورد، زن و مرد سب کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ علماء اور صلحاء میں بھی یہ جذبہ موجود ہے۔ فقراء اور اولیاء بھی اس جذبہ سے سر شار ہیں۔ مجاهدوں کے دلوں میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جو انہیں شہادت گہ الفت کی طرف رجز خواں لے جاتا ہے۔ اور شعراء کا خمیر تو خیر اٹھایا ہی محبت سے گیا ہے۔ اس لئے مسلمان شعراء میں شاید ہی کوئی ایسا بد نصیب ہوگا جس کے دل میں حب رسول کی شمع روشن نہ ہو اور اس شمع کے انوار نعت کی صورت میں اس کے قلم سے نہ پھوٹے ہوں۔

تاہم شعراء کے جذبہ حب رسول کے اپنے اپنے انداز ہیں اور یہ جذبات ان کے افکار و تخیلات کی نہج، ان کے علم کی وسعت، عرفان کی گہرائی اور قلبی محسوسات کی شدت سے متعین ہوتے ہیں۔ ایک محبت سو افسانے کا مضمون یہاں پوری طرح صادق آتا ہے۔ ہر شاعر کے اظہار محبت کا پیرایہ اپنا ہے اور ہر پیرائے میں ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ جب حسان بن ثابت فرماتے ہیں کہ

''و اجمل منك لم ترقط عین　　و احسن منك لم تلد النسآء
خلقت مبرءً من کل عیب　　کانك قد خلقت کما تشآء

ترجمہ: کسی آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کبھی نہیں دیکھا اور عورتوں نے آپ سے زیادہ خوبصورت شخص نہیں جنا آپ ہر قسم کے

عیب سے پاک صاف پیدا کئے گئے گویا کہ آپ ویسے ھی پیدا کئے گئے جیسا آپ نے خود چاھا۔

تو وہ اپنے مشاھدات جمال و کمال نبوی کو جامہ الفاظ پہناتے ھیں اور جب سعدی علیہ الرحمۃ کہتے ھیں کہ :۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   من وجھك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر

ترجمہ : اے صاحب جمال اور اے انسانوں کے سردار آپ کے روشن چہرے سے چاند نے نور حاصل کیا آپ کی اس حد تک جو آپ کا حق ھے تعریف ممکن نہیں، مختصر یہ ھے کہ خدا کے بعد آپ ھی سب سے بڑے ھیں۔

تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں کے ان تصورات کو سپرد قلم کرتے ھیں جن کے لمعات انہیں زمان و مکان کے کاشانوں میں نظر آتے ھیں۔ مولانا جامیؒ حضور پر نور کی شخصیت کے جمالی پہلوؤں کا بیان اس طرح فرماتے ھیں کہ۔

جہاں روشن است از جمال محمد   دلم زندہ شد از وصال محمد
خوشا چشم کو بنگرد مصطفی را   خوشا دل کہ دارد خیال محمد
خوشا مسجد و منبر و خانقاھے   کہ دروے بود قیل و قال محمد
بہ صدق و صفا گشتہ بیچارہ جامی   غلام غلامان آل محمد

ترجمہ : دنیا محمدصؐ کے جمال سے روشن ھے اور میرا دل محمدصؐ سے ملاپ کی وجہ سے زندہ ھے۔

وہ آنکھ کیا ھی اچھی ھے جو محمدصؐ کو دیکھتی ھے اور وہ دل خوش نصیب

۵۷

ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے وہ مسجد، منبر اور خانقاہ کیا ہی خوب ہیں جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گفتگو ہو۔
بے چارہ جامی نہایت خلوص اور صدق کے ساتھ محمدص کے غلاموں کا غلام ہو گیا ہے۔

جذبہ حب رسول محض ایک اتفاقی امر نہیں بلکہ عین منشائے خداوندی ہے۔ اس منشائے خداوندی کا اظہار بار بار قرآن کریم میں ہوتا ہے ۔ اسلام کے رکن اول یعنی کلمہ طیبہ ہی میں خدا اور رسول دونوں کی ذات کے متعلق آگہ کیا گیا ہے ۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں بھی اللہ کی اطاعت کا ذکر آیا ہے وہیں وہیں اطاعت رسول کی تاکید بھی موجود ہے ۔ بلکہ صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے کہ اگر رسول اکرمص کی ذات کو پیدا نہ کیا جاتا تو تمام کائنات کی تخلیق کی ضرورت نہ تھی ۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ تم ایمان میں کبھی کامل نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے تمام امور میں فخر موجودات کی ذات کو حکم نہ بناؤ اور ان کے فیصلوں کی بطیب خاطر اطاعت نہ کرو۔ یہی نہیں کہ آنحضورص کی ذات کو ایک واجب الاطاعت امیر بنایا گیا بلکہ انہیں مجسمہ محبوبیت بھی بنایا گیا ۔ آپ کی شان محبوبیت کا اعلان اس سے واضح تر الفاظ میں کیا ہو سکتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

منشائے خدا وندی ہی کے مطابق رسول اکرم نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ جب تک کسی مسلمان کے دل میں میری محبت ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر نہ ہوگی اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں
لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ و الناس اجمعین ۔

مولانا ظفر علی خاں نے اسی چیز کو شاعرانہ پیرائے میں اس طرح بیان

کیا رہے۔

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود ان کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

میرا خیال ہے اور یہ خیال تنہا میرا ہی نہیں علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والے تمام لوگوں کا ہے کہ دور حاضر میں حب رسول کی جتنی تابناک، شفاف اور حرارت خیز شمع علامہ اقبال کے دل میں روشن ہوئی ہے اتنی شاید ہی کسی اور شاعر کے دل میں ہوئی ہو۔ آپ کی طبیعت میں یہ جذبہ تو خیر قدرت نے خود ہی ودیعت کیا تھا اس جذبہ کی تربیت اور نشو و نما میں آپ کے درویش منش والد کا بڑا دخل ہے۔ اس جذبہ کی تربیت انھوں نے کیونکر کی اس کا اندازہ ان کی اس منظوم حکایت سے ہوتا ہے جس میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے لڑکپن میں ایک فقیر پر سختی کی تو والد نے مجھے اس طرح سرزنش کی۔

اند کے اندیشش و یاد آر اے پسر   اجتماع امت خیر البشر
باز ایں ریش سفید من نگر   لرزہ و اسید و بیم من نگر
بر پدر ایں جور نازیبا مکن   پیش مولا بندہ را رسوا مکن
غنچہ ای از شاخسار مصطفی   گل شو از باد بہار مصطفی
از بہارش رنگ و بو باید گرفت   بہرہ از خلق او باید گرفت

ترجمہ: اے بیٹے ذرا سوچیں اور خیر البشرصؐ کی امت کے اجتماع کا خیال کریں۔ پھر میری سفید داڑھی اور مجھ پر طاری ہونے والے لرزہ اور اسید

اور خوف کی حالت کو دیکھیں باپ پر اس طرح کا نازیبا ظلم نہ کریں اور اپنے مالک کے سامنے اس غلام کو رسوا نہ کریں اے بیٹے تم مصطفےٰ ص کی شاخوں کی کلی ہو لہذا مصطفےٰ ص کی باد بہاریں سے پھول بن جاؤ ان کی بہار سے تم کو رنگ اور خوشبو حاصل کرنی چاہئے اور ان کے اخلاق سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ایسے محب رسول باپ کے بعد استاد ملا تو مولانا میر حسن جیسا، کہ اسلامی شرافت اور خلق رسول کا روشن نمونہ تھے۔ پھر لاہور پہنچے تو حضرت داتا گنج بخش رح کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ شاعری کے میدان میں آگے بڑھے تو غائبانہ طور پر رومی کے ارادت مند ہوئے اور دوست اور مشیر مولانا گرامی جالندھری جیسا ملا جن کی نعتوں میں مولانا جامی کے کلام کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔ اپنے قریبی پیش روؤں میں مولانا حالی کو دیکھا اور سنا جن کا تمام تر وجود گویا ایک درد مند دل تھا اور جن کی نعتیں اور مناجاتیں بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ پھر زمانہ بھی وہ پایا کہ مسلمانان بر صغیر پاک و ہند تو ابتلا میں تھے ہی، ترک، عرب، افغان، ایرانی، مصری، طرابلس، الغرض دنیا بھر کے مسلمان حکومت اور سیاست کے میدان میں زخم پر زخم کھا کر چور ہو رہے تھے اور زمانہ کے بے رحم ھاتھ تھے کہ مزید ضرب پر ضرب لگاتے جا رہے تھے۔

ان عوامل سے اقبال کے دردمند دل کو گداز سے گداز تر ہونا ہی تھا اور جذبہ عشق رسول کو شرر سے شعلہ بننا ہی تھا۔ ان حالات میں انہیں فریاد لے کر پہنچنا تھا تو بارگاہ رسالت ہی میں کہ یہی بارگاہ مسلمانوں کے لئے ماوی اور ملجا ہے۔ دیکھئے وہ کس انداز سے بارگاہ رسالت میں پہنچتے ہیں۔

اے مدد گار غریباں ، اے پناہ بے کساں
اے نصیر عاجزاں ، اے مایہ بے مایگاں

کارواں صبر و تحمل کا ہوا دل سے رواں
کہنے آیا ہوں میں اپنے درد و غم کی داستاں

ہے تری ذات مبارک حل مشکل کے لئے
نام ہے تیرا شفا، دکھے ہوئے دل کے لئے

بزم عالم میں طراز مسند عظمت ہے تو
بہر انساں جبرئیل آیہ رحمت ہے تو

اے دیار علم و حکمت، قبلہ امت ہے تو
اے ضیائے چشم ایماں، زیب ہرمدحت ہے تو

درد جو انسان کا تھا تیرے پہلو سے اٹھا
قلزم جوش محبت تیرے آنسو سے اٹھا

آب کوثر تشنہ کامان محبت کا ہے تو
جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہیں وہ دریا ہے تو

طور پر چشم کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنی یٰسٓ ہے تو مفہوم اوادنیٰ ہے تو

اس نے پہچانا نہ تیری ذات کے انوار کو
جو نہ سمجھا احمد بے میم کے اسرار کو

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اشعار ''نالہ یتیم،، سے ہیں جو ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی اور جس روز یعنی ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء کو اقبال نے یہ نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے میں پڑھی تھی اس سے صرف دو روز پہلے

انہوں نے اپنی عمر کے ستائیس برس پورے کئے تھے(۱)۔ اس عمر میں کم ہی کسی کا دل زخم آشنا ہوتا ہے اور اگر کسی دل پر زخم ہوتا بھی ہے تو ذات کا، شاذ ہی کوئی دل ایسا ہوتا ہے جس کے زخم کے انگور سے ملی اور آفاقی درد کی شراب ٹپکنے لگے اقبال نے اس عمر میں بھی جہاں جہاں رسول کریم کو پکارا ہے ان کی پکار میں درد کا پورا پورا رچاؤ اور والہانہ محبت کی نہایت خوشگوار بو باس موجود ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں حب رسول کا پھوٹا ہوا ننھا سا پودا بڑھتا چلا گیا اور آخر کار ایک ایسا تناور درخت بن گیا کہ ہوا و ہوس کی لوئیں، جبر و استبداد کی آندھیاں اور قہر و غضب کی بجلیاں بھی اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکیں۔ محبت کی شمع تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور باد مخالف کے باوجود اس کی لو بڑھتی ہی رہی۔ رموز بیخودی کے آخر میں ’’عرض حال مصنف بہ حضور رحمت للعالمین،، میں لکھتے ہیں۔

تا مرا افتاد بر رویت نظر — از اب و ام گشتہ محبوب تر
عشق درمن آتشے افروخت است — فرحتش بادا کہ جانم سوخت است

از پدر تا نام تو آموختم — آتش این آرزو افروختم
آرزوئے من جوان تر می شود — این کہن صہبا گران تر می شود

اے زیاد غیر تو جانم تہی — بر لبش آرام اگر فرمان دہی
ہست شان رحمتت گیتی نواز — آرزو دارم کہ میرم در حجاز

از درت خیزد اگر اجزائے من — وائے امروزم ، خوشا فردائے من
عرض کن پیش خدائے عزو جل — عشق من گردد ہم آغوش عمل

---

(۱) نئی تحقیق کے مطابق اقبال کی عمر اس وقت صرف ۲۳ برس تھی۔ کرم

ترجمہ : جب سے آپ کے روئے مبارک پر میری نظر پڑی ہے آپ مجھے ماں باپ سے زیادہ پیارے ہوگئے ہیں عشق نے میرے اندر آگ روشن کی ہے اور اسے خوش ہونا چاہئے کہ میری جان جل چکی ہے جب سے میں نے اپنے والد سے آپ کا نام سنا ہے میرے دل میں اسی آرزو کی آگ بھڑک اٹھی ہے میری آرزو جواں تر ہورہی ہے اور یہ پرانی شراب زیادہ نشہ آور ہوتی جارہی ہے اے رسول کریم کہ آپ کے علاوہ کسی اور کی یاد سے میری روح خالی ہے اگر آپ فرمائیں تو میں اپنی آرزو کا ذکر کروں۔ آپ کی رحمت تو تمام دنیا پر مہربانی کرنے والی ہے میری خواهش ہے کہ میں حجاز میں مروں۔ اگر آپ کے دروازے سے میری مٹی (قیامت کے دن) اٹھے تو میرا حال اور مستقبل دونوں ہی اچھے ہوں آپ خدائے تعالی کے سامنے میرے لئے عرض کریں کہ میری محبت عمل سے ہم کنار ہوجائے۔

جوں جوں علامہ کا شعور پختہ ہوتا چلا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت ان کی رگ و پے میں سماتی چلی گئی۔ ادراک کا آئینہ جیسے جیسے جلا پاتا گیا انوار و تجلیاتِ نبوی اس میں زیادہ سے زیادہ جذب ہوتے چلے گئے حتی کہ جب عمر انحطاط کی منازل تک پہنچی عشق کمال کی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگا اور پھر وہ وقت آیا کہ ان کا وجود معنوی آفتاب رسالت کی ایک تابناک کرن بن گیا جس کی روشنی نے کروڑوں مسلمانوں کے ذہنوں کو روشن اور جس کی حرارت نے ان کے دلوں کو گداز کر دیا۔ ارمغان حجاز کہ علامہ کا آخری مجموعہ کلام ہے اس میں آپ سراپا عشق و محبت نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ہی تاجدار رسالت کے ساتھ بے پناہ محبت کا اعلان کر رہا ہے اس میں ''حضور رسالت،، کے عنوان سے ایک سو انیس رباعیات ہیں کہ

ایک سے بڑھ کر ایک اس تب و تاب اور سوز و گداز کا پتہ دے رہی ہے جو شاعر کے سینے میں موجزن ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم نوا خواں از سرور عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا سر شام کشاید پر بہ فکر آشیانہ

ترجمہ: اس بڑھاپے میں میں نے یثرب کا راستہ لیا ہے اور عاشقانہ سرور کے ساتھ نغمہ خواں ہوں۔ اس پرندے کی طرح جو شام ہونے پر جنگل سے اپنے آشیانے کی فکر کے لئے پر تولتا ہے۔

مسلماں، آں فقیر کج کلاہے رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالد، چرا نالد! نداند نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

ترجمہ: مسلمان وہ ٹیڑھی ٹوپی رکھنے والا فقیر جس کے سینہ سے آہ کا سوز جا چکا ہے۔ اس کا دل رو رہا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ کیوں رو رہا ہے یا رسول اللہ اس پر نگاہ کیجئے۔ نگاہ کیجئے۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم من و تو کشتۂ شان جمالیم
دو حرفے بر مراد دل بگوئیم بپائے خواجہ چشماں رابما لیم

ترجمہ: اے ہمدم! آ کہ ہم مل کر نالہ بلند کریں کیونکہ میں اور تو جمال (نبی) کی شان پر قربان ہیں ہم اپنے دل کی مراد کے موافق دو لفظ کہیں اور اپنے آقا کے قدموں پر آنکھیں ملیں۔

بہ کوئے تو گداز یک نوا بس مرا ایں ابتدا ایں انتہا بس
خراب جرأت آں رند پاکم خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

ترجمہ: آپ کے کوچے میں ایک ہی نوا کا گداز کافی ہے میرے لئے یہی ابتداء اور یہی انتہا بہت ہے میں تو اس پاکیزہ سیرت رند کی جرأت پر قربان

ہوں کہ جس نے خدا سے کہا کہ ہمارے لیئے مصطفےؐ کافی ہیں۔

وہ ان کوتاہیوں سے بخوبی آگاہ ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی قومی سطوت اور ملی عظمت مائل بہ زوال ہوئی اور بارگاہ رسالت میں ان کوتاہیوں کا اعتراف بکمال ندامت کرتے ہیں کہ۔

بہ آں بالے کہ بخشیدی پریدم　　　بسوز نغمہ ہائے خود تپیدم
مسلمانے کہ مرگ از وی بلرزد　　　جہاں گردیدم و اورا ندیدم

ترجمہ: آپ نے جو پر دئیے ہیں انہی سے اڑا اور اپنے نغموں کے سوز سے ہی تڑپا۔ میں تمام دنیا میں پھرا لیکن وہ مسلمان جس سے موت بھی کانپتی ہو نظر نہ آیا۔

جبیں را پیش غیر اللہ سودیم　　　چوں گبراں در حضور او سرو دیم
نتالم از کسے می نالم از خویش　　　کہ ما شایان شان تو نبودیم

ترجمہ: ہم نے اپنی پیشانی کو غیر اللہ کے سامنے رگڑا اور کافروں کی طرح اس کے سامنے نغمہ خواں رہے میں کسی اور کے ہاتھوں نہیں اپنے آپ سے فریاد کرتا ہوں کیوں کہ ہم آپ کے شایان شان نہیں ہیں۔

بہ نور تو بر افروزم نگہ را　　　کہ بینم اندرون مہر و مہ را
چوں می گویم مسلمانم، بلرزم　　　کہ دانم مشکلات لا الہ را

ترجمہ: میں آپ کے نور سے اپنی نگاہ کو روشن کرتا ہوں تا کہ چاند اور سورج کے اندر جھانک کر دیکھوں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں کیونکہ میں لا الہ کہنے کی مشکلات سے واقف ہوں۔

عشق و محبت کا کمال یہ ہے کہ اپنے آپ کو مجرم گردانتے ہوئے اور

عقوبت کا سزاوار جانتے ہوئے خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں تو یہ، کہ آقا کے حضور ہم سے باز پرس نہ کی جائے کیونکہ ایک طرف تو ہم رسوا ہوں گے دوسری طرف آقائے دو جہاں کی ذات کو دکھ ہوگا اور ان کا دکھ ہمارے لئے ہر سزا اور عقوبت سے بڑھ کر ہوگا۔

به پایاں چوں رسد ایں عالم پیر　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ مارا　　حساب من زچشم اونہاں گیر

ترجمہ : جب یہ بوڑھی دنیا اپنے انجام کو پہنچے اور ہر چھپی ہوئی تقدیر ظاہر ہوجائے۔ تو اے خدا! ہمیں اپنے آقاص کے سامنے رسوا نہ کرنا بلکہ میرا حساب ان کی نگہ سے چھپا کر لینا۔

اقبال کے ہاں جس طرح فکر و نظر، زبان و بیان، لہجے اور اسلوب میں ابتکار اور انفرادیت ہے اسی طرح شان نبوت اور شان محبوبیت کے متعلق بھی ان کے تصورات مبتکر اور منفرد ہیں۔ ان کے دور اول کی شاعری میں ہمیں روایتی انداز کی نعت ملتی ہے جیسے۔

وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر
نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم اٹھااٹھا کر

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا
تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر

شہید عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

رکھی ہوئی کام آہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے زر شفاعت دکھا دکھا کر
تیرے ثنا گر عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

لیکن یہ انداز بیان تھوڑا ہی عرصہ رہتا ہے۔ عمر اور شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ وہ منصب و مقام نبوت سے آگاہی حاصل کرتے جاتے ہیں اور آنحضور کی معنوی شخصیت کے اسرار و رموز ان پر کھلتے جاتے ہیں تو ان کا انداز بیان بدلتا جاتا ہے اور بالآخر وہ اس لہجے اور آہنگ کو پالیتے ہیں جو خاص ان کا اپنا ہے اور جسے اہل فکر و نظر کی سماعت پہچاننے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی۔ مثلاً۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ دیدہ بینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

"جاوید نامہ" میں کہ علامہ کے روحانی تجربات کا نچوڑ ہے انھوں نے جہاں رمز و ایما کے پردے میں بہت سے ما بعد الطبیعاتی مسائل بیان کئے ہیں اور بہت سے عقدہ ہائے سر بستہ کو سخن کی انگلیوں سے کھولا ہے وہاں "مقام عبدیت رسول" کے متعلق منصور حلاج کی زبانی فرماتے ہیں۔

عبدہ، از فہم تو بالا ترست زانکہ او ہم آدم و ہم جوہرست

٦٧

عبدہ ، صورت گر تقدیر ھا اندرو ویرانہ ھا تعمیر ھا
عبدہ، دھر است ودھراز عبدہ است ماھمہ رنگیم و اوبے رنگ و بوست
کس زسر عبدہ ، آگاہ نیست عبدہ، جز سر الا اللہ نیست
لا الہ تیغ دودم او عبدہ ، فاش تر خواھی بگو، ''ھو عبدہ،،
مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت تا نبینی از مقام ''مارمیت،،

ترجمہ : اے انسان عبدہ کا مطلب تیرے فہم سے بالا ھے کیونکہ وہ (خدا کا بندہ) آدم کے پیکر میں بھی ھے اور جوھر بھی ھے عبدہ ھماری تقدیروں کا بنانے والا ھے اور اس کی ذات میں ویرانے بھی ھیں اور بستیاں بھی، عبدہ زمانہ سے اور زمانہ عبدہ سے ھے ھم سب تو رنگ ھیں لیکن وہ رنگ و بو سے پاک ھے کوئی شخص بھی عبدہ کے بھید سے واقف نہیں ھو سکتا کیونکہ وہ الا اللہ کے بھید کے علاوہ کچھ بھی نہیں لا الہ دو دھاری تلوار ھے اور وہ عبدہ ھے اور اگر کھول کر بات کروں تو عبدہ خود ''ھو،، ھے ۔ ان چند شعروں سے مطلب واضح نہیں ھو سکتا جب تک کہ تو ''ما رمیت،، کے مقام سے نہ دیکھے ۔

یہاں عبدہ کی وضاحت کے پیرائے میں جو کچھ رمز اور استعارے کی صورت میں کہا گیا ھے اس میں بڑی بار یکیاں اور نزاکتیں ھیں ۔ ایسی باریکیاں اور نزاکتیں جنھیں کھول کر بیان نہیں کیا جا سکتا ۔